Fikr-o-Nasar (Islamabad) 17:1-2 (1979)

عدل اجتماعی کا قرآنی تصوّر

ڈاکٹر محمد نذیر کا کاخیل

عدل اجتماعی کی اصطلاح ایک جدید اصطلاح ہے اس لئے نفس مضمون سے پہلے ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ جدید سیاسی اصطلاح کے طور پر اس کا کیا مفہوم ہے اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ عدل اجتماعی کے متعلق اسلام کا تصور کیا ہے ؟

مغرب کے سیاسی فلسفہ پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے تصورات کی طرح عدل اجتماعی کا تصوّر بھی مبہم اور غیر واضح ہے کیونکہ مختلف مکاتب فکر کے ہاں اس کے مختلف معنی لئے جاتے ہیں ۔ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ چونکہ پیدائش کے اعتبار سے تمام لوگ برابر ہیں لہذا سب کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیئے ۔ بعض مفکرین عدل اجتماعی کو معیشت تک محدود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا مطلب دولت یا آمدنی میں تمام لوگوں کو مساوی حصہ دینا ہے ۔ مفکرین کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ ایک ملک کے تمام شہریوں کو یکساں مواقع فراہم کرنا عدل اجتماعی ہے ۔

مغربی فلسفہ کے برعکس اسلامی نظام فکر میں عدل اجتماعی کی اصطلاح کو ہم زندگی کے کسی ایک پہلو تک محدود و مقید نہیں کر سکتے ۔ قرآن پاک ، سنت نبوی اور تاریخ اسلام پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہ اصطلاح اپنے اندر سماجی برابری ، معاشی انصاف ، سیاسی آزادی اور مذہبی رواداری وغیرہ کے وسیع معنی سموئے ہوئے ہے ۔

ہم قارئین کی سہولت کے پیش نظر یہاں عدل اجتماعی کے تصوّر سے مختلف پہلوؤں کے تحت بحث کریں گے ۔

(۱) <u>عدل اجتماعی کا سماجی پہلو</u> ۔ قرآن پاک اعلیٰ و ارفع اخلاقی اقدار کی بنیاد پر ایک ایسی آفاقی ملت کا قیام چاہتا ہے جس کے تمام اراکین حقوق و ذمہ داریوں میں برابر ہوں اور جہاں کسی کو دوسرے پر رنگ ، نسل ، علاقے یا سماجی رتبے کی بنا پر فوقیت حاصل نہ ہو ۔ وہاں کسی کو برتری حاصل ہو تو محض تقویٰ ، حسن اخلاق ، نیک اعمال ، ذمہ داری کے احساس ، انسانی اقدار کے بلند نصب العین اور اعلیٰ و ارفع اصولوں کی پاسداری کی بنا پر ہو ۔ (۱) خدا کے نزدیک وہ

تمام لوگ آپس میں برابر ہیں جو اس کی ہدایات کے تابع ہوں إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (۲) کا اعلان کر کے قرآن نے قبائلی اور نسبی عصبیت، فرقہ واریت اور طبقہ واریت کے تمام خود ساختہ بت پاش پاش کر دیئے۔ رسول کریمؐ نے مکہ ہی میں جبکہ اسلام کی مخالفت زوروں پر تھی اور قبائلی فخر و افتخار کا دور دورہ تھا، مختلف چھوٹے بڑے قبائل کے افراد کو جو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے، مُواخاۃ (بھائی چارے) کے رشتے میں منسلک کر کے معاشرتی مساوات، باہمی تعاون، ہمدردی اور حبِ انسانی کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ (۳) اس قسم کا دوسرا عملی مظاہرہ اس وقت سامنے آیا جب آنحضرتؐ نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد مہاجرینؓ اور انصارؓ کے درمیان مُؤاخاۃ کو قائم کیا۔ (۴) یہ رشتے اس قدر مضبوط تھے کہ بھائی بھائی کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا تھا مثال کے طور ہجرت کے چوتھے سال مدینہ سے یہودیوں کے ایک قبیلہ بنو نضیر کے اخراج کے بعد جو مال غنیمت رسول مقبولؐ کے ہاتھ آیا تو تقسیم کے وقت انصارؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ نہ صرف یہ مال بلکہ ہمارا مال بھی آپؐ ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کریں۔ (۵) قرآن پاک نے بھی انصارؓ کے اس جذبۂ اخوت کی تعریف کی۔ (۶)

عدل و انصاف کا ایک بڑا لازمہ معاشرتی مساوات کا قیام ہے اگر حصول انصاف کے سلسلے میں حاکم و محکوم، آقا و غلام، امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ کے درمیان فرق رکھا جائے تو عدالت پر سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس معاشرے کا انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ اسی چیز کے پیش نظر قرآن کریم عدل و انصاف کے قیام کی بار بار تاکید کرتا ہے (۷) اور کہتا ہے کہ کسی قسم کے خونی، ازدواجی، یا سیاسی رشتے اور ذاتی بغض و عناد انصاف کے رستے میں حائل نہیں ہونے چاہیئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا غریب تو خدا ان کا خیر خواہ ہے۔ تو تم خواہش کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑنا۔ اگر تم پیچیدا شہادت دوگے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو جان لو کہ خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔" (۸)

اور یہ کہ:۔

"اے ایمان والو! خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔" (۹)

رسول پاکؐ اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں قانون کے سامنے تمام لوگوں کی بلالحاظ حسب و نسب برابری کی بیسیوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ انصاف کے معاملے میں نہ تو حکام اور ان کے اعزہ و اقارب سے کوئی رعایت کی جاتی تھی اور نہ ہی کسی کی سفارش چل سکتی تھی۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ مدینہ میں قبیلہ فارس کی ایک خاتون پر چوری کا الزام لگا۔ اس خیال سے کہ عدالت میں مقدمہ جائے گا تو ان کی بدنامی ہو گی، انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو رسول اللہؐ سے سفارش کرنے کی درخواست کی۔ آپ بڑے ناراض ہوئے اور فرمانے لگے :۔

"تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں شریف (خاندان کا کوئی فرد) چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کی جاتی۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ لوں گا۔" (۱۰)

جس مثالی معاشرہ کی بنیادیں رسول کریمؐ نے عدل و انصاف پر رکھیں، خلفائے راشدینؓ کے عہد میں اسے تکمیل تک پہنچایا گیا۔ اس دور میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا چاہے بدوی ہو یا غسان کا نو مسلم فرمانروا جبلہ بن ایہم، بغیر کسی سماجی رتبے کے پورا پورا انصاف کیا جاتا تھا۔ (۱۱) حضرت عمر فاروقؓ کو عدالت کے سامنے تمام لوگوں کی برابری کا اتنا پاس تھا کہ آپؓ کئی بار اس کا امتحان لینے عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حاکم اور رعایا کے ساتھ قاضی کا رویہ کیا ہے۔ زید بن ثابت کی عدالت میں حضرت عمر فاروقؓ اور ابی بن کعب کا مقدمہ اور قاضی کو فریقین کے ساتھ یکساں سلوک کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ کی نصیحت سماجی انصاف کی بہترین مثال ہے۔ (۱۲)

جس طرح ہمارے زمانے میں گھریلو ملازمین ہماری معاشرتی اور معاشی زندگی کا اہم جزو ہیں بالکل اسی طرح غلامی کا ادارہ عربوں کی سماجی اور اقتصادی زندگی کا جزو لاینفک تھا۔ جدید دور کے ملازمین کی طرح ان کا بھی زندگی کے ہر شعبے میں استعمال ہوتا رہتا تھا۔ اگر خوش قسمتی سے کوئی غلامی سے آزادی حاصل کر بھی لیتا تو اسے آزادی ملنے کے بعد

بھی نچلے درجے کے شہریوں کے حقوق تک حاصل نہیں ہوتے تھے۔ قرآن پاک نے انسان اور انسانی زندگی کی قدر و منزلت کی تعلیم دے کر عربوں کے اس طرز عمل کو برا کہا اور غلاموں کی آزادی کی تلقین کی۔ (۱۳) غلاموں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اپنی دولت میں سے ان کی اعانت کرنے کو کہا (۱۴) مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد ان کی آزادی کے لئے زکوٰۃ کا ایک حصہ بھی مختص کر دیا گیا (۱۵) رسول اکرمؐ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ غلام تمہارے بھائی ہیں ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاؤ وہی پہناؤ جو خود پہنو ان پر کام کا بوجھ زیادہ ہو تو ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ (۱۶) خلفائے راشدین کے عہد میں غلاموں کی آزادی اور اس ادارہ کی اصلاح کے لئے جو کچھ کیا گیا وہ ہماری تاریخ کے اوراق میں کسی سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت محمدؐ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر مرد و زن کی برابری، عربی و عجمی کے درمیان مساوات اور مسلمانوں کے درمیان بلا کسی نسلی امتیاز کے بھائی چارے، انسانی عظمت اور جان و مال کی حفاظت کا جو اعلان کیا (۱۷) وہ آج کے دور کے DECLARATIONS سے بالکل مختلف اس لئے تھا کہ جو کچھ آپؐ نے خطبے میں فرمایا، اس کا آپؐ اپنی زندگی ہی میں عملی نمونہ پیش کر چکے تھے۔ آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے چار جانشینوں نے ان پر من و عن عمل درآمد کیا۔

۲۔ <u>عدل اجتماعی کا معاشی پہلو</u>۔ ایک معاشرہ کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے ضروری ہے اس کے افراد کے ترقی و خوشحالی کے رستے میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کیا جائے اور ہر قسم کے استحصال کے دروازے بند کئے جائیں اسلام اس حقیقت سے غافل نہیں۔ وہ ایک طرف اگر سماجی برائیوں کے انسداد اور معاشرتی انصاف کے قیام پر زور دیتا ہے تو دوسری طرف ایک ٹھوس، عادلانہ اور متوازن اقتصادی نظام کے قیام کے لئے عالمگیر اصول بھی دیتا ہے۔ چنانچہ معاشی انصاف کے حصول کی خاطر قرآن پاک ہر قسم کے استحصال، احتکار اور ارتکاز کے خلاف درس دیتا ہے۔ ربا جیسے ظالمانہ فعل کو، جس نے نہ صرف قبل از اسلام عربوں کی زندگی تباہ کر کے رکھ دی تھی، بلکہ جو آج بھی ترقی پذیر اقوام کی ہڈی پسلی ایک کر رہا ہے، حرام قرار دیتا ہے۔ (۱۸)

قرآن حکیم ہر قسم کے استحصال کی سختی سے ممانعت کرتا ہے چاہے وہ ناپ تول میں کمی کے ذریعہ ہو (۱۹) یا باہمی لین دین میں کسی اور ذریعے سے (۲۰) جو لوگ دولت کی بنیاد پر انسانی برادری کے اندر طبقاتی نظام قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا دولت کا ارتکاز کر کے حاجت مندوں کی حاجت پوری نہ کرتے ہوں انہیں سخت قسم کے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔

"ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے جو مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ کی بھڑکائی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا (۲۱) اور یہ کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو اس دن کے عذاب الیم کی خبر دو۔" (۲۲)

قرآن کریم حلال کی کمائی میں سے انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیتا ہے اور اس کے اجر کو جو خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے کو ملے گا، بیان کرتا ہے (۲۳) اسلامی معاشرے میں انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید دراصل دولت کے ارتکاز کی حوصلہ شکنی اور غریب و لاچار افراد کی حالت بہتر بنانے کی طرف ایک قدم ہے۔ قرآن کے الفاظ میں جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا زائد مال خرچ نہیں کرتے گویا وہ اپنے آپ کو ہلاکت کے کنارے لے جاتے ہیں (۲۴) اسلام دولت کو گردش میں رکھنے کی تاکید اس لئے کرتا ہے کہ وہ مالدار لوگوں کے ہاتھوں میں استحصال کا ذریعہ نہ بنی رہے (۲۵) اسلامی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ رسول کریمؐ نے آخری مکی دور اور ابتدائی مدنی دور میں مسلم معاشرہ کو ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر قائم رکھنے کی خاطر شخصی اور انفرادی خیرات و صدقات پر زور دیا یہ وہ دور ہے جب قرآن کریم کی اس قسم کی آیات کا نزول شروع ہوا تھا:

(۱) "اور تمہیں کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے وہ گردنوں کا چھڑانا (غلاموں کا آزاد کرانا) یا بھوک کے دنوں قرابت دار یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔" (۲۶)

(۲) "اور (مسلمان) مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو اللہ کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے ہیں۔" (۲۷)

(۳) "نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو بلکہ نیکی یہ ہے کہ کوئی اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور اپنا مال اللہ کی محبت میں قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے پر صرف کرے۔" (۲۸)

مدینہ میں جب اسلامی ریاست منظم و مستحکم ہوئی تو ربا کو قطعاً ممنوع قرار دیا گیا اور نظام زکوٰۃ فرض کیا گیا زکوٰۃ کے مصارف بھی قرآن پاک نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کئے تاکہ اسے ریاست کی آمدنی کے دیگر ذرائع کے ساتھ گڈمڈ نہ کیا جا سکے۔ قرآن پاک فرماتا ہے :-

"صدقات (زکوٰۃ) فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو اس کی وصولی اور تقسیم کے لئے مقرر ہوں، گردن چھڑانے (غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے) ہے۔ قرضداروں کے لئے ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور مسافروں کے لئے ہے" (۲۹)

قرآنی احکامات و ہدایات کی روشنی میں آنحضرتؐ نے جس مثالی معاشرہ کی بنیاد رکھی اس میں اخلاقی اقدار کی ترویج و ترقی کے پہلو آپؐ لوگوں کو حلال کی کمائی کا درس بھی دیتے رہے اور سماجی تحفظات کی فراہمی کی سعی بھی کرتے رہے تاکہ بے روزگاری، تنگ دستی اور فاقہ کشی جیسے خطرات کا خوف دامن گیر نہ ہو۔ آپ اکثر فقر و فاقے سے خدا کی پناہ مانگا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ فاقہ انسان کو کفر کے کنارے لے جاتا ہے۔ آپؐ کے عہد مبارک میں ریاست کی آمدنی نہ صرف غریبوں، اپاہجوں، بیواؤں، ناداروں اور حاجت مندوں کی ضروریات پر خرچ کی جاتی تھی بلکہ رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے بھی اس کا ایک حصہ مخصوص تھا۔ (۳۰) زکوٰۃ اگرچہ امیروں سے وصول کی جاتی تھی اور غریبوں میں تقسیم کی جاتی تھی (۳۱) لیکن اگر اس سے معاشرتی ضروریات پوری نہ ہوتیں تو مالداروں پر اضافی ٹیکس بھی عائد کئے جاتے تھے۔ آپؐ کا قول ہے کہ غریب زکوٰۃ و صدقات کے علاوہ بھی دولت مندوں کی دولت پر حق رکھتے ہیں (۳۲)

آپ کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں بھی یہی جذبہ کارفرما رہا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیت المال کی رقم مسلمانوں میں برابر تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ آپؓ سے دریافت کیا گیا کہ متقدمین اور متاخرین مساوی تقسیم کیسے؟ فرمانے لگے مقدم اور مؤخر ثواب سے متعلق ہے جس کا اجر خدا دے گا اور یہ معاش کا معاملہ ہے جس میں برابری تنگدستی سے بہتر ہے (۳۳) اگرچہ ابتداء میں حضرت عمر فاروقؓ کی معاشی پالیسی اپنے پیشرو سے قدرے مختلف رہی لیکن بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر خدا نے زندگی دی تو میں بیت المال سے کم حصہ لینے والوں کو اس سے زیادہ رقم وصول کرنے والوں کے برابر کروں گا (۳۴) کچھ مسلمانوں کی معاشی بدحالی دیکھ کر آپؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جو کچھ مجھے آج معلوم ہوا اگر پہلے معلوم ہوتا تو میں مالداروں سے (ضرورت سے زائد) دولت لے کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔" (۳۵) قومی خزانے کی حیثیت اور اس پر حکام اور رعایا کے حق کا اندازہ آپؓ کی اس تقریر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:۔

"اے لوگو! میرے اور آپ کے مال (بیت المال) کا وہ تعلق ہے جو یتیم (کے مال) اور اس کے ولی کے

درمیان ہوتا ہے۔ اگر میں مالدار ہوں گا تو قومی خزانے سے کچھ نہیں لوں گا اور اگر فاقہ کی نوبت آجائے تو عام رواج کے مطابق کھانے کے لئے لوں گا۔ مجھ پر تمہارے بہت سے حقوق ہیں جن کے لئے تم میرا مؤاخذہ کرسکتے ہو۔ یہ کہ میں تمہارے خراج اور غنیمت کے مال کو بے جا طور سے (سرکاری خزانے میں) جمع نہ کروں اور یہ کہ جب (یہ مال) حق کے مطابق میرے ہاتھ آئے تو میں اسے بے جا طور سے صرف نہ ہونے دوں۔ تمہارا یہ حق ہے کہ میں تمہارے عطیات بڑھا دوں (۳۶)

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے ابتدائی دور میں سرکاری خزانے پر صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ غیر مسلم رعایا کا بھی برابر کا حق تھا چنانچہ اس سے غیر مسلم مستحقین کو امداد دی جاتی تھی (۳۷) خالد بن ولیدؓ نے حیرہ کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ شق بڑی اہم ہے کہ اگر غیر مسلم رعایا میں سے کوئی بڈھا ہوگا یا غربت و افلاس کا شکار ہوگا تو نہ صرف اس کا جزیہ معاف کیا جائے گا بلکہ جب تک وہ اور اس کے متعلقات لوگ اسلامی ریاست کے حدود میں رہیں گے، بیت المال سے اس کی مالی امداد کی جائے گی (۳۸)

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد مبارک کی معاشی پالیسی کے بارے میں مؤرخین نے مبالغے سے کام لے کر بہت کچھ لکھا ہے یہاں تفصیلات میں جانا مقصود نہیں البتہ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس عہد کی اقتصادی پالیسی اور اس سے پہلے دور کی اقتصادی پالیسی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس دور میں دولت کی فراوانی تھی جس نے آج کل کی اصطلاح کے مطابق افراط زر کا مسئلہ پیدا کیا تھا۔ اس بات کا ثبوت ابن عبدالبر (۳۹) اور مسعودی (۴۰) کے وہ بیانات فراہم کرتے ہیں جو اس دور کے روزمرہ کی اشیاء کے نرخوں اور چند با اثر اشخاص کی جائیداد کے بارے میں ہیں۔ یہی چیز سیاسی بے چینی کی وجوہات میں سے ایک وجہ تھی۔ دولت کی اس فراوانی اور غیر مناسب تقسیم کے منفی اثرات اس وقت مسلم معاشرہ پر پڑ رہے تھے اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے اسے دیکھ لیا تھا چنانچہ شام میں دولت کے ارتکاز کے خلاف مہم آپؓ ہی کے درس و تدریس کا نتیجہ تھا۔ شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ آپ کا اختلاف بھی اسی نکتے پر تھا کہ آیا بیت المال، مال المسلمین ہے یا مال اللہ؟ ابوذر غفاریؓ کا خیال تھا کہ بیت المال کو مال اللہ تسلیم کر لیا گیا تو حکمران اسے اللہ کے نام سے جس طرح چاہیں صرف کریں گے اور عوام اس سلسلے میں حکمرانوں سے باز پرس نہیں کر سکیں گے۔ بعد میں حضرت

امیر معاویہؓ نے حضرت ابو ذرؓ کے نکتہ سے اتفاق کر لیا (۴۱)۔

۴۔ عدل اجتماعی کا سیاسی پہلو۔ قرآن پاک معاشرتی اور معاشی عدل کے پہلو بہ پہلو سیاسی انصاف اور مساوات کا درس دیتا ہے۔ وہ ہر قوم کو اپنے حالات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور بہتر تبدیلی پیدا کرنے کی ترغیب دیتا ہے (۴۲) ظاہر ہے بہتر تبدیلی ایک معاشرے کے اندر اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب آزادی رائے پر ناجائز پابندیاں نہ ہوں۔ اظہار خیال کی آزادی اس وقت بار آور ثابت ہو سکتی ہے جب یہ حق تمام شہریوں کو بلا کسی امتیاز کے حاصل ہو۔ قرآن پاک آزادی فکر پر صرف اجتماعی مفاد کی خاطر پابندی کے حق میں ہے۔ قرآن کریم کی وہ آیتیں جو شوریٰ سے متعلق ہیں (۴۳) آزادی رائے اور فکر کی ضمانت فراہم کرتی ہیں اور غور و فکر کی ترغیب دیتی ہیں تاکہ لوگ گھریلو معاملات سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی معاملات تک افہام و تفہیم اور رواداری کے جذبے کے تحت طے کرنے کے قابل ہوں اور بدلے و بدلتے حالات کی مطابقت سے اپنے سیاسی نظام کو ہم آہنگ کر سکیں (۴۴)۔

جس معاشرے یا ریاست میں شوریٰ ہوگا ظاہر ہے وہاں حصول مقصد کے ذرائع پر یقیناً لوگوں کے افکار و خیالات میں اختلاف ہوگا لیکن ایک جمہوری معاشرے میں کسی کی رائے کو محض اس وجہ سے نہیں دبایا جا سکتا کہ چونکہ وہ حاکم وقت کی رائے، پالیسی یا مفاد کے منافی ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں۔ اسلامی نظام حیات میں حکومت کی پالیسیوں پر تعمیری تنقید نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ریاست کے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ خدا کے نائب کی حیثیت سے تعمیری تنقید کے ذریعہ حکومت وقت کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرے اور اسے درست کام کرنے پر مجبور کرے۔ دوسری طرف حاکم وقت پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی رعایا پر نظر رکھے کہ کوئی تنقید کی آڑ میں ملی وحدت کو پارہ پارہ نہ کر دے۔ ان دوہری ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کر کے ہی حاکم و رعایا روئے زمین پر خدا کا خلیفہ ہونے کا حق ادا کر سکیں گے۔

ہجرت نبوی کے فوراً بعد مدینہ میں جس مثالی معاشرہ اور ریاست کی بنیاد رکھی گئی اس میں خالص جمہوری اقدار کی ترویج کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ آنحضرتؐ نے قرآنی ہدایات کی روشنی میں شورائی نظام کی بنیاد رکھی۔

اس نظام میں جاہلی دور کی طرح عمر، دولت، خاندانی رتبے، رنگ ونسل یا سماجی حیثیت کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ ذاتی محاسن، تقویٰ اور پرہیزگاری اس کے لئے معیار تھے۔ رسول اکرمؐ کے زمانے کی مجالس شوریٰ کی تفصیلات بیان کرنا یہاں ممکن نہیں البتہ اس دور کے شوریٰ کے انعقاد کی دو تین مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ جنگ بدر کے موقع پر شوریٰ منعقد ہوا اور حباب بن منذرؓ کا مشورہ قبول کرلیا گیا (۴۵) اس جنگ کے قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ بھی باہمی مشورے سے کیا گیا۔ جنگ خندق کے موقع پر حضرت سلمان الفارسیؓ (جو کہ آزاد کردہ غلام تھے اور جاہلی عہد کے دستور کے مطابق شہریت کے پورے حقوق کے بھی حقدار نہیں تھے) کے مشورہ پر عمل درآمد (۴۶) اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلامی ریاست مکمل سیاسی مساوات کی علمبردار ہے اور زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاسی معاملات میں بھی کسی کے ساتھ رنگ، نسل زبان یا علاقے کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کرتی۔

رسول اللہؐ تو منصب رسالت کے باعث شہری ریاست مدینہ کے سربراہ تھے لیکن آپ کی رحلت کے بعد مسلمانوں کو ریاست وحکومت کا سربراہ بھی خود چننے کا موقع آپؐ ہی نے فراہم کردیا۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے انتخاب میں اہل الرائے اور دوسرے لوگ جو دارالحکومت میں موجود ہوتے تھے، بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک ہوتے تھے۔ اہل الرائے کے درمیان ان مواقع پر اختلاف رائے بھی ہوتا رہا لیکن رواداری، باہمی اعتماد اور اسلامی بھائی چارے کے جذبے کے تحت یہ اختلافات انتخاب کا عمل مکمل ہونے کے فوراً بعد خود بخود ختم ہوجاتے تھے اور اسلام کا علم بلند کرنے کے لئے سب حکمران کے تحت ایک مٹھی بن جاتے۔

اس دور کی سیاسی آزادی اور مساوات کے اعلیٰ نمونے کا اندازہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس صدارتی خطبے سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو آپؓ نے خلافت کا منصب سنبھالنے کے فوراً بعد مجمع عام میں دیا اس خطبے میں جہاں امیر وغریب کے ساتھ انصاف اور برابری کی بنیاد پر سلوک کرنے کا وعدہ ہے وہاں عام لوگوں کو حکومت پر کڑی تنقید کے حق کی ضمانت بھی دی گئی ہے اور حکمران کے غلط کاموں اور کتاب وسنت کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کی اطاعت نہ کرنے کو بھی کہا گیا ہے (۴۷) حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے دور کا واقعہ ہے کہ کسی نے ان کے خطبے کے دوران از راہ تنقید کہا کہ خدا سے ڈرو عمر! کسی نے اسے خاموش رہنے کو کہا تو آپ فرمانے لگے کہ اسے

کہنے دیں لوگ ہم پر تنقید نہ کریں اور ہم سنیں نہیں تو بڑا نقصان ہوگا (۴۸) اس دور میں آزادی رائے اور حکومت کے معاملات میں عام لوگوں کی بھرپور شرکت کا اندازہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی اس تقریر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو آپؓ نے شام کے حکمران کے دربار میں کی۔ آپ نے فرمایا "ہمارا حکمران ہم ہی میں سے ہے اگر وہ ہمارے درمیان کتاب وسنت پر عمل کرے گا تو اسے ہم پر حکمرانی کا حق حاصل ہوگا لیکن اگر وہ اس سے روگردانی کرے تو ہم اُسے معزول کردیں گے۔ (۴۹) اس اقتباس سے دو نکات بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اسلامی ریاست میں حکمران عوام کا نمائندہ اور ترجمان ہوتا ہے اور اس کا انتخاب عوام کرتے ہیں دوم یہ کہ عوام اسے اس لئے منتخب کرتے ہیں کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں ملک کا نظم ونسق چلائے اور شرعی حدود قائم رہیں۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خاص خیال رکھے۔ اگر وہ یہ فرائض بجالانے میں ناکام ہو تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے درست کام کرنے پر مجبور کریں ورنہ اسے معزول کردیں۔

رسول اکرمؐ کے جانشینوں کے عہد میں مجلس شوریٰ کا قیام اور تمام مسلمانوں کی ریاستی معاملات میں کسی نہ کسی طریقہ سے شرکت سیاسی عدل وانصاف کی بہترین مثال ہے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے کی مجالس شوریٰ میں نہ صرف معمر اور سفید ریش صحابہ کرامؓ شرکت فرمایا کرتے تھے بلکہ نوجوان بھی حصہ لیا کرتے تھے۔ ریاست کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دوسرے معاملات میں بصیرت رکھنے والے لوگ بھی ان مجالس میں شرکت کیا کرتے تھے۔ (۵۰) اسلامی ریاست کے اس دور کے حکمرانوں کے انتخاب کے مختلف طریقوں (MODES) سے جہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں اقتدار ایک مقدس امانت ہے جسے خدا کی خوشنودی اور فلاح عامہ کے لئے ایک خاص طبقہ نہیں بلکہ تمام شہری شرعی حدود کے اندر استعمال کرتے ہیں وہاں یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلامی ریاست میں لوگ اہلیت کی بنیاد پر اپنے آپ کو کسی بھی عہدے کے لئے پیش کرسکتے ہیں (۵۱) ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ اپنے لئے CONVASSING نہیں کرسکتے۔

۴۔ <u>عدل اجتماعی کا اخلاقی پہلو</u>۔ عالمگیر برادری، انسان دوستی اور امن وآشتی کی فضا قائم کرنے کے لئے قرآن پاک نہ صرف مسلمانوں کے درمیان مساوات اور عدل وانصاف قائم کرنے کا درس دیتا ہے بلکہ دوسرے

مذاہب کے لوگوں کو بھی زندگی کے مختلف شعبوں میں برابری کا درجہ عطا کرتا ہے قرآن کریم چونکہ اخلاقی بنیادوں پر معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے لہٰذا اسلام عقائد کے بارے میں کسی پر سختی نہیں کرتا (۵۲) جب تک غیر مسلم رعایا اسلامی ریاست کے وفادار ہوں اور مروجہ محصولات ادا کرتے ہوں، ان کو مسلم رعایا کے برابر سماجی حقوق حاصل ہوں گے

قرآن پاک نہ صرف مسلمانوں کو آپس میں امن وسلامتی کے ساتھ رہنے کا درس دیتا ہے بلکہ انہیں دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بھی پرامن رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ مسلمانوں کو کسی کے ساتھ جنگ کی اجازت نہیں سوائے اس کے کہ وہ جارحیت اور ظلم وستم کا شکار ہوں ارشاد باری تعالیٰ ہے :" خدا کے راستے میں (صرف) ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو ...... ان سے جنگ کئے جاؤ حتیٰ کہ فتنہ ختم ہو اور دین صرف خدا کے لئے ہے"۔ (۵۳) امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام حنبلؒ وغیرہ اس خیال کے حامی ہیں کہ جنگ کا جواز دشمن کی جارحیت ہے نہ کہ اسلام کا انکار۔

قرآن کریم مسلمانوں کو ان لوگوں کے ساتھ شفقت ومحبت کے ساتھ پیش آنے کی تلقین کرتا ہے جو ان کے خلاف مذہبی جنگ نہیں کرتے۔ ارشاد ربانی ہے "جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا۔ خدا تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ (۵۴) اس سے بڑھ کر انسانی برادری اور رواداری کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام مسلمانوں کے لئے دوسری اقوام (اہل کتاب) کے طعام ہی کی نہیں بلکہ ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ (۵۵) اس طرح قرآن پاک جگہ جگہ مسلمانوں سے کہتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ احسان کیا کرو (۵۶) یہ احسان صرف مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ یہ ہر ایک کے ساتھ کسی امتیاز کے بغیر ہے۔

رسول اکرمؐ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں جہاں معاشرتی، معاشی اور سیاسی عدل وانصاف کا جو عملی نمونہ پیش کیا گیا تاریخ اسلام اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد آنحضرتؐ نے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان جس میثاق کو نافذ کیا وہ مذہبی رواداری اور انسانی مساوات کی منہ بولتی تصویر ہے اس میثاق کی رو سے یہودیوں کو ضمیر اور عقیدے کی آزادی کی ضمانت فراہم کی گئی انہیں اختیار دیا گیا کہ وہ باہمی تنازعات

اپنے مذہبی قوانین کے مطابق طے کریں گے" یہود ..... مومنوں کے ساتھ جماعتی اشتراک کریں گے وہ اپنے دین پر قائم رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ ان کی جان و مال محفوظ ہوں گے (۵۷) بعد میں اس قسم کی مذہبی، سماجی، معاشی اور سیاسی آزادیوں کی ضمانت نجران کے عیسائیوں کو بھی دی گئی (۵۸) حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ان معاہدوں کی تجدید بھی کر دی گئی (۵۹)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بعد میں اگر یہودیوں یا عیسائیوں کو جلا وطن کر دیا گیا تو یہ اختلاف مذہبی اختلافات کی بنا پر نہیں بلکہ آئین اور ان معاہدات کی خلاف ورزی کے پاداش کے طور پر عمل میں لایا گیا جو ان کے ساتھ کئے گئے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں اہل ایلیا کے ساتھ جس معاہدے پر دستخط ہوئے وہ مذہبی رواداری کا اعلیٰ نمونہ ہے جس کی رو سے نہ صرف عیسائیوں کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لے لیا گیا بلکہ ان کے گرجوں اور صلیبوں کی ضمانت بھی دے دی گئی (۶۰) الغرض اس دور میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری کا جو سلوک کیا گیا دنیا کی متمدن اقوام اقلیتوں کے ساتھ اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر سکیں۔

اس جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے عدل اجتماعی کا تصور کوئی ایسا تصور نہیں تھا جس کا کسی خاص موقع پر رسماً اعلان کر دیا گیا ہو جیسا کہ دور حاضر کی سیاست کا معمول ہے بلکہ یہ وہ تصور تھا جس کا عملی نمونہ پیش کیا گیا اور جس کی بدولت اسلام جزیرۂ عرب سے نکل کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلتا چلا گیا۔

حواشی اور حوالہ جات

(۱)۔ قرآن پاک، سورۂ الحجرات، آیت نمبر ۱۳۔

(۲)۔ ایضاً آیت نمبر ۱۰۔

(۳)۔ ابن حبیب، کتاب المحبّر حیدرآباد، دکن ۱۹۴۲ء، ص۷۱ - ۷۰

(۴)۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۵۷ء جلد اوّل، ص۳۹ - ۲۳۸

(۵)۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، قاھرہ ۱۹۳۲ء جلد سوم ص۲۸ - ۲۲۲

(۶)۔ قرآن پاک، سورۂ الحشر آیت نمبر ۹

(۷)۔ ایضاً، النساء ۵۸، المائدہ: ۴۴، ۴۵، ۴۷

(۸)۔ ایضاً النساء: ۱۳۵

(۹)۔ ایضاً المائدہ: ۸

(۱۰)۔ بخاری الصحیح (کراچی ۱۹۶۱ء) کتاب الحدود، ص۱۰۰۳

(۱۱)۔ شبلی نعمانی، الفاروق (کراچی ۱۹۷۰ء) ص۴۴ - ۳۳۱

(۱۲)۔ مسلم الصحیح کتاب الحدود: ۹، شبلی، الفاروق ص۴۴ - ۲۳۱

(۱۳)۔ قرآن پاک، سورۂ البلد: ۱۳، الدھر: ۸، البقرہ: ۱۷۷

(۱۴)۔ ایضاً النحل: ۷۱

(۱۵)۔ ایضاً التوبہ: ۶۰

(۱۶)۔ بخاری محولہ بالا ص۳۴۶

(۱۷)۔ ابن ہشام، سیرت النبیؐ جلد چہارم (قاہرہ ۱۹۳۸ء) ص۲۷۵

(۱۸)۔ قرآن پاک، البقرہ: ۷۹ - ۲۷۵

(۱۹)۔ ھود: ۸۵ - ۸۴، بنی اسرائیل: ۳۵، التطفیف: ۱ - ۲

(۲۰)۔ النساء: ۳۰ - ۲۹

(۲۱) - الھمزہ : ۳ - ۱

(۲۲) - التوبہ : ۳۴

(۲۳) - البقرہ : ۲۶۱ ، ۲۶۲ ، ۲۷۰ تا ۲۷۳ -

(۲۴) - البقرہ : ۱۹۵

(۲۵) - الحشر : ۷

(۲۶) - البلد : ۱۳

(۲۷) - الدھر : ۸

(۲۸) - البقرہ : ۱۷۷

(۲۹) - التوبۃ : ۶۰

(۳۰) - مشکوٰۃ المصابیح کتاب الاداب (متفق علیہ)

(۳۱) - ابوداؤد ، سنن (کانپور سنہ ۱۳۴۶ھ) ص ۲۲۳

(۳۲) - مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم ص ۲۲۳ ابن حزم ، المحلی جلد ششم قاہرہ سنہ ۱۳۴۹ھ ص ۱۵۶

(۳۳) - ابویوسف ، کتاب الخراج ص ۴۲

(۳۴) - ایضاً ص ۴۶

(۳۵) - الطبری تاریخ ص ۲۷۴۳

(۳۶) - ملخص از ابویوسف ، کتاب الخراج ص ۱۰۸ - ۱۱۰

(۳۷) - ایضاً ص ۱۲۲

(۳۸) - الطبری تاریخ ص ۶-۳۴۰۵ ابویوسف کتاب الخراج ص ۲۶ - ۱۲۷

(۳۹) - ابن عبدالبر ، کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ، حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۳۶ھ جلد دوم

(۴۰) - المسعودی ، مروج الذہب جلد دوم ص ۳۴۲

(۴۱) - طبری تاریخ ص ۵۹-۲۸۵۸

(۴۲)۔ قرآن مجید، الرعد ! ۱۱

(۴۳)۔ ایضاً آل عمران ۱۵۹ ، شوریٰ : ۳۸

(۴۴)۔ الطبری جامع البیان الاحکام القرآن جلد دوم ص۳۷-۲۳۵

(۴۵)۔ سیرۃ ابن ہشام جلد دوم ص۲۶۲

(۴۶)۔ ایضاً جلد سوم ص۲۳۵

(۴۷)۔ طبری تاریخ ص۱۸۲۹

(۴۸)۔ ابو یوسف کتاب الخراج ص۱۲

(۴۹)۔ الازدی، فتوح الشام (اُردو ترجمہ) ص۱۸۵

(۵۰)۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ جلد دوم ص۲۵۰ بخاری، کتاب الاعتصام۔

(۵۱)۔ دیکھئے فکر و نظر جولائی ۱۹۶۸ء "اسلام میں سیاسی آزادی کا تصور"

(۵۲)۔ قرآن پاک : البقرہ : ۲۵۶

(۵۳)۔ ایضاً : ۱۹۰ تا ۱۹۳

(۵۴)۔ ایضاً الممتحنہ : ۸

(۵۵)۔ ایضاً المائدہ : ۵

(۵۶)۔ ایضاً القصص : ۷۷ ، بنی اسرائیل : ۷

(۵۷)۔ سیرۃ ابن ہشام جلد دوم ص۱۲۱

(۵۸)۔ ابو یوسف : کتاب الخراج ص۴۲

(۵۹)۔ ایضاً ص۴۳

(۶۰)۔ الطبری، تاریخ ص۲۴۰۵-۶۔